۱۴۴۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا ۲۷واں سالانہ اجلاس

منعقدہ لاہور میں خطبہ صدارت

۲۲' مارچ ۱۹۴۰ء

خواتین و حضرات!

آج پندرہ ماہ کے بعد اس اجلاس میں ہماری ملاقات ہو رہی ہے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا آخری اجلاس جس وقت دسمبر ۱۹۳۸ء میں پٹنہ میں منعقد ہوا تھا اس وقت سے اب تک بہت سے واقعات رونما ہوئے ہیں۔ سب سے پہلے میں آپ کو مختصراً بتاؤں گا کہ ۱۹۳۸ء میں پٹنہ اجلاس کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ کو کیا کچھ درپیش آیا۔ آپ کو یاد ہو گا کہ ایک کام جو ہمیں سونپا گیا تھا اور جو ابھی تک تشنہ تکمیل ہے وہ ہند کے طول و عرض میں آل انڈیا مسلم لیگ کو منظم کرنا تھا۔ ہم نے اس جہت میں گذشتہ پندرہ ماہ کے دوران زبردست پیش رفت کی ہے۔ مجھے آپ کو یہ اطلاع دیتے ہوئے بڑی مسرت ہو رہی ہے کہ ہم نے ہر صوبے میں صوبائی لیگیں قائم کر دی ہیں۔ اگلا نکتہ یہ ہے کہ مجالس قانون ساز کا جو بھی ضمنی انتخاب ہوا' اس میں ہمیں طاقتور مخالفین سے مقابلہ کرنا پڑا۔ میں مسلمانوں کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے ہماری آزمائشوں کے دوران بڑے استقلال اور جذبے کا مظاہرہ کیا۔ صرف ایک ضمنی انتخاب تھا جسے ہمارے حریفوں نے مسلم لیگی امیدوار کے مقابلے میں جیتا۔ یو پی کونسل یعنی ایوان بالا کے گذشتہ انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی صد فی صد رہی۔ مسلم لیگ کو منظم کرنے کی جہت میں ہم نے کیا کچھ کیا' اس کی تفصیل بیان کر کے میں آپ کو تھکانا نہیں چاہتا لیکن میں آپ کو یہ بتا سکتا ہوں کہ یہ کام بڑے زور شور سے ہو رہا ہے۔

اگلی بات' آپ کو یاد ہو گا کہ اجلاس پٹنہ میں ہم نے خواتین کی ایک کمیٹی مقرر کی تھی۔ ہمارے لئے یہ بہت اہمیت کی بات ہے' کیونکہ میں اس کا قائل ہوں کہ ہمارے لئے یہ ازبس ضروری ہے کہ ہم اپنی خواتین کو اپنی زندگی کی جدوجہد اور کام میں ہر موقع مہیا کریں۔ خواتین گھروں اور پردے میں رہ کر بھی بہت کچھ کر سکتی ہیں۔ ہم نے یہ کمیٹی اس لئے مقرر کی تھی کہ وہ بھی لیگ کے کام میں حصہ لے سکیں' اس مرکزی کمیٹی کے اغراض و مقاصد تھے (۱) صوبائی اور ضلعی مسلم لیگوں کی تنظیم (۲) بڑی تعداد میں خواتین کو مسلم لیگ کی رکن بنانا (۳) سارے ہند میں مسلم خواتین میں زبردست نشر و اشاعت کرنا تاکہ ہماری خواتین میں زیادہ سیاسی شعور اور بیداری پیدا ہو سکے۔ یاد رکھئے کہ آپ کے بچوں کے لئے فکر اور تردد کی کوئی بات نہیں ہو گی

(۴) مسلم معاشرے کی ترقی کے ضمن میں ان امور کے بارے میں ان کی رہنمائی کرنا اور مشورہ دینا جن کا زیادہ تر انہیں پر دارومدار ہوتا ہے۔ مجھے یہ کہتے ہوئے مسرت ہوتی ہے کہ اس مرکزی کمیٹی نے اپنا کام متانت اور خلوص کے ساتھ شروع کیا' اس نے بہت مفید کام کیا ہے' مجھے کوئی شک نہیں کہ جب ہم ان کے کام کے بارے میں رپورٹ کو نمٹانے کے مرحلے پر پہنچیں گے تو ہم' ان تمام خدمات کے لئے جو انہوں نے مسلم لیگ کے لئے سرانجام دیں' واقعتا ان کے ممنون ہوں گے۔

جنوری ۱۹۳۹ء سے لے کر اعلان جنگ تک ہمیں بہت سی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ناگپور میں ہمیں ودیامندر کا سامنا کرنا پڑا۔ ہمیں تمام ہند میں وردھا اسکیم کا مقابلہ کرنا پڑا۔ ہمیں کانگرس کے زیرنگیں صوبوں میں مسلمانوں کے ساتھ بدسلوکی اور ظلم و ستم کا سامنا کرنا پڑا۔ ہمیں اس سلوک کا بھی سامنا کرنا پڑا جو بعض ہندی ریاستوں جیسے جے پور اور بہاونگر میں مسلمانوں کے ساتھ روا رکھا گیا۔ ہمیں ایک اہم مسئلہ کا سامنا بھی کرنا پڑا جو راجکوٹ کی چھوٹی سی ریاست میں پیدا ہوا جس کو کانگرس نے ایک آزمائش قرار دیا اور جس سے ایک تہائی ہندوستان متاثر ہوتا۔ اس طرح مسلم لیگ کو جنوری ۱۹۳۹ء سے لے کر اعلان جنگ کے وقت تک متعدد مسائل درپیش رہے۔ اعلان جنگ سے پیشتر سب سے بڑا خطرہ جو مسلمانان ہند کو درپیش تھا وہ مرکزی حکومت میں وفاقی اسکیم کے آغاز کا تھا۔ ہمیں علم ہے کہ کیا کیا ریشہ دوانیاں ہو رہی تھیں' لیکن مسلم لیگ ہر سمت میں قوت کے ساتھ ان کی مزاحمت کر رہی تھی۔ ہم نے محسوس کر لیا تھا کہ ہم قانون حکومت ہند مجریہ ۱۹۳۵ء میں مذکور مرکزی وفاقی حکومت کی اسکیم کو ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم نے برطانوی حکومت کو اس بات پر آمادہ کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی کہ وہ مرکزی وفاقی حکومت کی اسکیم تج دے۔ برطانوی حکومت میں یہ ذہن تیار کرنے کے لئے بلاشبہ مسلم لیگ نے کوئی کم حصہ نہ لیا۔ آپ کو علم ہے کہ انگریز بہت روکھے لوگ ہیں۔ وہ بہت قدامت پسند ہیں اور اگرچہ وہ بہت چالاک ہیں تاہم بات سمجھنے میں ذرا سست واقع ہوئے ہیں۔ اعلان جنگ کے بعد قدرتی طور پر وائسرائے کو مسلم لیگ کی اعانت درکار تھی۔ اس وقت انہیں یہ احساس ہوا کہ مسلم لیگ بھی ایک طاقت ہے کیونکہ یہ بات یاد ہو گی کہ اعلان جنگ کے وقت تک وائسرائے کو کبھی میرا خیال ہی نہیں آیا۔ اگر کسی کا خیال آیا تو وہ گاندھی تھے اور صرف گاندھی۔ میں کافی عرصہ مجلس قانون ساز میں ایک اہم پارٹی کا قائد رہا' اور وہ مسلم لیگ پارٹی سے بڑی پارٹی تھی جس کی قیادت کا اعزاز آج مجھے حاصل ہے۔ تاہم وائسرائے کو پہلے میرا خیال نہیں آیا۔ لہذا جب مسٹر گاندھی کے ساتھ مجھے بھی وائسرائے کا دعوت نامہ ملا تو پہلے تو میں اپنے طور پر حیران ہوا کہ میری

اچانک ترقی کیسے ہو گئی؟ اور پھر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اس کا جواب ہے "آل انڈیا مسلم لیگ" جس کا میں صدر واقع ہوا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ کانگرس ہائی کمان کو یہ بدترین دھچکا لگا ہو گا۔ کیونکہ اس سے ان کے اس دعوے کا بطلان ہو گیا کہ ہند کی ترجمانی کا انہیں ہی واحد اختیار ہے اور مسٹر گاندھی اور کانگرس کے رویئے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ابھی تک اس صدمے سے سنبھل نہیں پائے۔ میرا نکتہ یہ ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ خود کو منظم کرنے کی قدر و قیمت' اہمیت اور افادیت کو محسوس کریں۔ میں اس موقع پر مزید کچھ نہیں کہوں گا۔

لیکن ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں اس سے' اور جو سن رہا ہوں مسلم ہند کو اب احساس ہو گیا ہے' وہ اب بیدار ہے اور مسلم لیگ اس وقت تک اس قدر مضبوط ادارہ بن گئی ہے کہ اب کوئی شخص اسے تباہ نہیں کر سکتا خواہ وہ کوئی بھی کیوں نہ ہو۔ لوگ آتے رہیں گے اور لوگ جاتے رہیں گے۔ لیکن مسلم لیگ ہمیشہ قائم رہے گی۔

جنگ کے بعد

اب میں آتا ہوں اعلان جنگ کے بعد کے زمانے کی طرف۔ ہماری صورت حال یہ تھی کہ ہم شیطان اور گہرے سمندر کے درمیان تھے۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ شیطان یا گہرا سمندر اس سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ بہر نوع ہماری صورت حال یہ ہے کہ ہم غیر مشروط طور پر ہند کی آزادی کے حامی ہیں۔ لیکن یہ تمام ہند کے لئے آزادی ہونی چاہئے۔ کسی ایک طبقے کی آزادی نہیں اور بدترین یہ کہ کانگرسی ٹولے کی آزادی اور مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کی محکومی نہ ہو۔

خود انحصاری کی طرف

جیسا کہ ہم ہند میں واقع ہیں قدرتی طور پر ہمارے ماضی کے کچھ تجربات ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ گذشتہ ڈھائی برس کے دوران کانگرس کے زیر نگیں صوبوں میں صوبائی دستور کے تجربے سے ہم نے بہت سے سبق سیکھے ہیں۔ لہٰذا اب ہم بہت خائف ہیں اور کسی پر اعتماد نہیں کر سکتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہر شخص کے لئے ایک دانشمندانہ کلیہ ہے کہ کسی پر بہت زیادہ اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔ بعض اوقات ہم لوگوں پر اعتماد کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں لیکن عملی تجربے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی گئی۔ یقیناً یہ کسی کے لئے بھی کافی سبق ہوتا ہے کہ وہ ان لوگوں پر اپنا اعتماد برقرار نہ رکھے جنہوں نے اس سے غداری کی۔

خواتین و حضرات! ہم نے یہ کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ کانگرس ہائی کمان اس انداز سے کام کرے گی جس انداز سے واقعتاً اس نے کانگرس کے زیر نگیں صوبوں میں کام کیا ہے۔ میں نے تو خواب میں بھی یہ نہ دیکھا تھا کہ وہ اس قدر پستی میں گر جائیں گے۔ میں کبھی یہ سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ

کانگرس اور انگریزوں میں شرفا کے مابین ایسا معاہدہ ہو جائے گا اور وہ اس حد تک چلا جائے گا کہ ہم دن رات چیختے چلاتے رہ جائیں گے، گورنر کامل ہو گئے اور گورنر جنرل بے بس! ہم نے انہیں یاد دلایا کہ ہماری اور دیگر اقلیتوں کی طرف سے ان کی کچھ خصوصی ذمہ داریاں ہیں! اور یہ کہ انہوں نے ہمارے ساتھ کچھ خصوصی وعدے کئے تھے۔ لیکن وہ سب کچھ بے جان ہو کر رہ گئے۔ خوش قسمتی سے قدرت نے ہماری دستگیری کی اور شرفا کا وہ معاہدہ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اور خدا کا شکر ہے کہ کانگرس حکومت سے باہر چلی گئی۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ اپنے استعفوں پر بہت پچھتا رہے ہیں۔ بھبکی کا بھرم کھل چکا ہے۔ چلو جو ہوا سو اچھا ہوا۔ لہٰذا میں آپ سے اپیل کرتا ہوں پوری متانت سے، جس قدر میرے اختیار میں ہے، کہ آپ خود کو اس طور سے منظم کیجئے کہ آپ کسی پر تکیہ نہ کریں، سوائے اپنی طاقت کے، یہی آپ کا واحد تحفظ ہو گا اور بہترین تحفظ۔ خود پر انحصار کیجئے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم دوسروں کے بارے میں برا چاہیں یا ان سے عناد رکھیں۔ اپنے حقوق اور مفادات کی حفاظت کے لئے خود میں وہ قوت پیدا کریں کہ آپ اپنا دفاع خود کر سکیں۔ بس یہی کچھ میں آپ سے پر زور طریقے سے کہنا چاہتا تھا۔

آئندہ دستور کا مسئلہ

اب، آئندہ دستور کے ضمن میں ہمارا موقف کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ جس قدر جلد حالات اجازت دیں یا زیادہ سے زیادہ اختتام جنگ کے فوراً بعد ہند کے آئندہ دستور کے مسئلہ پر از سرنو غور کیا جائے اور ۱۹۳۵ء کے قانون کی بساط ہمیشہ ہمیشہ کیلئے لپیٹ دی جائے۔ ہم اس بات کے قائل نہیں کہ برطانوی حکومت سے مطالبے کریں کہ وہ اعلان کریں۔ ان اعلانات کا حقیقتاً کوئی فائدہ نہیں۔ ان سے اعلانات کرنے کے مطالبے کر کے آپ انہیں اس ملک سے باہر نکالنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ تاہم کانگرس نے وائسرائے سے مطالبہ کیا کہ وہ اعلان کرے۔ وائسرائے نے کہا کہ میں نے اعلان کر دیا ہے۔ کانگرس نے کہا "نہیں، نہیں، ہم ایک اور طرح کا اعلان چاہتے ہیں۔ آپ اعلان کریں اور فوراً کہ ہند آزاد ہے، اور خود مختار، اور اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ مجلس دستور ساز کے ذریعہ جس کا انتخاب حق بالغ رائے دہی پر ہو گا، یا جس قدر وسیع تر بنیاد پر ممکن ہو، اپنا دستور آپ وضع کرے۔ یہ مجلس بالضرور اقلیتوں کے "جائز مفادات" کو مطمئن کرے گی۔ مسٹر گاندھی کہتے ہیں کہ اگر اقلیتیں مطمئن نہ ہوں تو وہ اس پر آمادہ ہیں کہ اعلیٰ ترین نوعیت کا بے حد غیر جانبدار طرح کا کوئی ٹری بیونل مقرر کر دیں، جو تنازعہ کے بارے میں فیصلہ کر دے۔ اب، قطع نظر اس امر کے کہ یہ تجویز ناقابل عمل نوعیت کی ہے اور اس امر کے باوصف کہ تاریخی اور آئینی اعتبار سے یہ بے ہودہ بات ہے کہ آپ حکمران طاقت سے یہ کہیں کہ وہ ایک

مجلس دستور ساز کے حق میں دستبردار ہو جائیں' ان تمام باتوں کے باوصف فرض کیجئے کہ ہم اس حق رائے دہی کے معیار سے اتفاق نہیں کرتے جس کے تحت مرکزی مجلس منتخب کی جائے گی یا فرض کیجئے کہ ہم مسلمانوں کے نمائندوں کی ایک مستحکم جماعت کی حیثیت سے مجلس دستور ساز میں غیر مسلم اکثریت کو قبول نہیں کرتے۔ اس وقت کیا ہو گا؟ یہ کہا جاتا ہے کہ جو یہ مجلس اتنے بڑے برصغیر کے لئے قومی دستور وضع کرنے کے ضمن میں کرے ہمیں کسی چیز سے اختلاف کرنے کا کوئی حق نہیں' سوائے ان امور کے جن کا تعلق اقلیتوں کے تحفظات سے ہو۔ پس ہمیں یہ اعزاز بخشا گیا ہے کہ ہم صرف ان امور میں اختلاف کر سکتے ہیں جن کا شدید طور پر اقلیتوں کے حقوق اور مفادات کے ساتھ تعلق ہو گا۔ ہمیں یہ اعزاز بھی عطا کیا گیا ہے کہ ہم اپنے نمائندے جداگانہ طرز انتخاب کے ذریعہ بھیج سکتے ہیں۔ اب یہ تجویز اس مفروضے پر مبنی ہے کہ جیسے ہی یہ عمل شروع ہو گا انگریز کا ہاتھ غائب ہو جائے گا۔ وگرنہ اس کے کوئی معنی ہی نہ ہوں گے۔ مسٹر گاندھی کہتے ہیں کہ دستور اس بات کا فیصلہ کرے گا کہ کیا انگریز غائب ہو جائے گا اور اگر ایسا ہو تو کس حد تک۔ دوسرے لفظوں میں ان کی تجویز کا لب لباب یہ ہے کہ پہلے آپ یہ اعلان کر دیجئے کہ ہم ایک آزاد اور خودمختار قوم ہیں۔ تب میں فیصلہ کروں گا کہ میں آپ کو کیا واپس دے سکتا ہوں۔ کیا مسٹر گاندھی ہند کے لئے مکمل آزادی طلب کرتے ہیں' جب وہ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں؟ لیکن انگریز غائب ہو یا نہ ہو لیکن یہ ثابت ہوتا ہے کہ بہت وسیع اختیارات لوگوں کو منتقل ہو جانے چاہئیں۔ مجلس دستور ساز کی اکثریت اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف کی صورت میں اولاً ثری بیونل کون مقرر کرے گا؟ اور فرض کیجئے کہ ایک ثری بیونل پر اتفاق رائے ممکن ہو گیا' ثری بیونل نے ایوارڈ دے دیا اور فیصلہ صادر کر دیا گیا' کیا میں یہ معلوم کر سکتا ہوں کہ پھر کون ہو گا جو یہ دیکھے گا کہ ایوارڈ کی شرائط کے مطابق اس پر عملدرآمد ہو رہا ہے یا نہیں؟ اور یہ کون دیکھے گا کہ عمل کے دوران اس کا احترام بھی کیا جا رہا ہے یا نہیں؟ کیونکہ ہمیں یہ بتایا جا رہا ہے کہ برطانیہ تو اپنے اختیارات سے کلی یا جزوی طور پر دستبردار ہو چکا ہو گا۔ پھر اس ایوارڈ کے پیچھے کون سی طاقت ہو گی جو اسے نافذ کرے گی؟ ہم اسی جواب پر پہنچتے ہیں' ہندو اکثریت یہ کام کرے گی۔ اور کیا یہ انگریز کی سنگینوں کے سایہ میں ہو گا یا مسٹر گاندھی کے "عدم تشدد" کے ذریعہ؟ کیا ہم ان پر مزید اعتماد کر سکتے ہیں؟ مزید برآں خواتین و حضرات کیا آپ یہ سوچ سکتے ہیں کہ اس نوعیت کے ایک سوال پر' ایک سماجی معاہدہ جس پر ہند کے آئندہ دستور کی بنا استوار کی جائے گی جو نو کروڑ مسلمانوں پر اثرانداز ہو گا' ایک عدالتی فیصلہ کے ذریعہ طے کیا جا سکتا ہے؟ پھر بھی یہ تجویز ہے کانگرس کی۔

اس سے قبل کہ میں مسٹر گاندھی کے چند روز پیشتر کے ارشادات کے بارے میں گفتگو کروں' میں کچھ اور کانگرسی رہنماؤں کے اعلانات کو نمٹاتا ہوں' ہر ایک مختلف آواز میں بول رہا ہے۔ مسٹر راج گوپال اچاریہ سابق وزیراعظم مدراس کہتے ہیں' ہندو مسلم اتحاد کا علاج مخلوط طرز انتخابات ہیں۔ یہ نسخہ ہے کانگرس تنظیم کے ایک بہت بڑے ڈاکٹر کا! (قہقہہ) دوسری طرف بابو راجندر پرشاد نے صرف چند روز پیشتر کہا' اوہ! اس سے زیادہ مسلمان اور کیا مانگتے ہیں؟ میں آپ کے سامنے ان کے الفاظ پڑھتا ہوں۔ اقلیتی مسئلے کا حوالہ دیتے ہوئے وہ کہتے ہیں "اگر برطانیہ ہمارا حق خود ارادیت تسلیم کر لیتا ہے تو یقیناً یہ تمام اختلافات غائب ہو جائیں گے۔" ہمارے اختلافات کس طرح غائب ہو جائیں گے؟ وہ اس کی وضاحت نہیں کرتے یا اس پر روشنی نہیں ڈالتے۔

"لیکن جب تک انگریز موجود ہیں اور اختیار ان کے ہاتھ میں ہے' اختلافات برقرار رہیں گے۔ کانگرس نے اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ آئندہ دستور' کانگرس تنہا نہیں بنائے گی بلکہ تمام سیاسی جماعتوں کے نمائندے اور مذہبی گروہ بنائیں گے۔ کانگرس اور بھی آگے گئی ہے اور اس نے اعلان کر دیا ہے کہ اس مقصد کے لئے اقلیتیں اپنے نمائندے جداگانہ طرز انتخابات کے ذریعہ منتخب کر سکتی ہیں۔ حالانکہ کانگرس جداگانہ طرز انتخابات کو ایک لعنت سمجھتی ہے۔ یہ مجلس دستور ساز اس ملک کے تمام لوگوں کی نمائندہ ہو گی' بالالفاظ ان کے مذہبی اور سیاسی تعلق کے جو ہند کے آئندہ دستور کے بارے میں فیصلہ کرے گی نہ کہ یہ پارٹی یا وہ پارٹی۔ اس سے بہتر اقلیتیں اور کیا ضمانت مانگتی ہیں؟" پس بابو راجندر پرشاد کے مطابق جس لمحے ہم مجلس میں داخل ہوں گے ہم اپنے سیاسی روابط اور مذاہب اور باقی ہر چیز کو خیرباد کہہ دیں گے۔ یہ ہے وہ جو بابو راجندر پرشاد نے حال ہی میں یعنی ۱۸ مارچ ۱۹۴۰ء کو فرمایا۔ اور اب یہ ہے جو مسٹر گاندھی نے ۲۰ مارچ ۱۹۴۰ء کو کہا

:

"میرے نزدیک ہندو' مسلمان' پارسی اور ہریجن سب برابر ہیں۔ میں غیر سنجیدہ نہیں ہو سکتا۔" لیکن میرا خیال ہے کہ وہ غیر سنجیدہ ہیں۔ "میں غیر سنجیدہ نہیں ہو سکتا' جب میں قائداعظم محمد علی جناح کے متعلق بات کروں۔ وہ میرے بھائی ہیں۔"

فرق صرف اتنا ہے کہ بھائی گاندھی کے تین ووٹ ہیں اور میرا صرف ایک ووٹ! (قہقہہ)

"مجھے فی الحقیقت مسرت ہو گی اگر وہ مجھے اپنی جیب میں رکھ سکیں" مجھے نہیں معلوم کہ میں ان کی اس تازہ ترین پیشکش پر کیا کہوں!

"ایک زمانہ تھا جب میں یہ کہہ سکتا تھا کہ ایک مسلمان بھی ایسا نہیں جس کا اعتماد مجھے حاصل نہیں۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ آج ایسا نہیں۔"

انہوں نے آج مسلمانوں کا اعتماد کیوں کھو دیا؟ کیا میں یہ دریافت کر سکتا ہوں خواتین و حضرات؟

"اردو اخبارات میں جو کچھ شائع ہوتا ہے وہ سارا کچھ میری نظر سے نہیں گذرتا لیکن شاید اس میں مجھے بہت گالیاں دی جاتی ہیں۔ مجھے اس کا کوئی دکھ نہیں۔ میں اب بھی اس بات کا قائل ہوں کہ ہندو مسلم سمجھوتے کے بغیر کوئی سوراج نہیں ہو سکتا۔"

مسٹر گاندھی یہ بات پچھلے بیس برس سے کہہ رہے ہیں۔

"شاید آپ یہ دریافت کریں کہ میں لڑائی کی بات کیوں کر رہا ہوں؟ میں یہ اس لئے کر رہا ہوں کہ یہ لڑائی مجلس دستور ساز کے لئے ہو گی۔" وہ انگریزوں سے لڑ رہے ہیں۔ لیکن کیا میں مسٹر گاندھی اور کانگرس کو یہ بتا سکتا ہوں کہ آپ اس مجلس دستور ساز کے لئے لڑ رہے ہیں جس کے بارے میں مسلمان کہتے ہیں کہ ہم اسے قبول نہیں کر سکتے۔ جس کے بارے میں مسلمان کہتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے تین اور ایک' جس کے بارے میں مسلمان کہتے ہیں کہ اس طرح' سروں کو گن کر' ہم کبھی بھی ایسا سمجھوتہ نہیں کر سکتے' جو حقیقی سمجھوتہ ہو گا دلوں سے' جس کی وجہ سے ہم دوستوں کی طرح سے کام کر سکیں گے۔ لہٰذا مجلس دستور ساز کا تصور قابل اعتراض ہے علاوہ دیگر اعتراضات کے۔ لیکن وہ مجلس دستور ساز کے لئے لڑ رہے ہیں' مسلمانوں سے مطلق نہیں لڑ رہے۔

وہ کہتے ہیں "میں ایسا اس لئے کر رہا ہوں کہ یہ لڑائی مجلس دستور ساز کے لئے ہو گی۔ اگر وہ مسلمان جو مجلس دستور ساز میں آتے ہیں" ذرا الفاظ پر غور کیجئے 'جو مجلس دستور ساز میں آتے ہیں' مسلمانوں کے ووٹوں کے ذریعہ سے۔۔۔ کہہ دیں کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں کوئی چیز مشترک نہیں ہے۔ صرف اس صورت میں تمام امید چھوڑ دوں گا۔ لیکن اس وقت بھی میں ان سے اتفاق کروں گا کیونکہ وہ قرآن پڑھتے ہیں اور میں نے بھی اس مقدس کتاب کا کچھ تھوڑا سا مطالعہ کیا ہے۔" (قہقہہ)

پس وہ مجلس دستور ساز مسلمانوں کے خیالات معلوم کرنے کے لئے مانگتے ہیں۔ اگر وہ اتفاق نہیں کرتے تب وہ امید چھوڑ دیں گے۔ لیکن پھر بھی وہ ہم سے اتفاق کریں گے (قہقہہ) میں آپ سے پوچھتا ہوں' خواتین و حضرات! کیا یہ طریقہ ہے مسلمانوں کے ساتھ مفاہمت کی اصلی اور حقیقی خواہش کے اظہار کا' اگر کوئی ایسی خواہش موجود ہے؟ (آوازیں: نہیں۔ نہیں) مسٹر گاندھی کیوں تسلیم نہیں کرتے' میں نے یہ بات ایک سے زیادہ مرتبہ کہی ہے' اور اس پلیٹ فارم سے پھر دہراتا ہوں' اب مسٹر گاندھی دیانتداری کے ساتھ کیوں تسلیم نہیں کر لیتے کہ کانگرس' ہندو کانگرس ہے

اور وہ ہندوؤں کی ٹھوس تنظیم کی نمائندگی کرتے ہیں۔ مسٹر گاندھی کو یہ کہنے میں فخر ہونا چاہئے کہ "میں ہندو ہوں' کانگرس کو ہندوؤں کی زبردست حمایت حاصل ہے۔" مجھے یہ کہنے میں کوئی شرم نہیں کہ میں مسلمان ہوں۔ (نعرہ ہائے تحسین و آفرین) میں صحیح کہتا ہوں' اور مجھے امید اور یقین ہے اور ایک اندھے کو بھی اب تک یقین ہو گیا ہو گا کہ مسلم لیگ کو مسلمانان ہند کی زبردست حمایت حاصل ہے۔ پھر یہ تمام جھانسے کیوں؟ یہ تمام چالاکیاں کیوں؟ پھر مسلمانوں کا تختہ پلٹنے کے لئے انگریزوں پر دباؤ ڈالنے کے طریقے کیوں اختیار کئے جا رہے ہیں؟ سول نافرمانی کی دھمکی کیوں دی جا رہی ہے؟ مجلس دستور ساز کے لئے لڑائی کیوں لڑی جا رہی ہے؟ صرف یہ دریافت کرنے کے لئے کہ مسلمان اتفاق کرتے ہیں یا اتفاق نہیں کرتے (نعرہ ہائے تحسین) وہ ہندو رہنما کی حیثیت سے کیوں نہیں آتے؟ وہ فخر کے ساتھ اپنے لوگوں کی نمائندگی کرتے ہوئے آئیں اور مجھے فخر کے ساتھ مسلمانوں کی نمائندگی کرتے ہوئے اپنے ساتھ ملاقات کا موقع دیں۔ جہاں تک کانگرس کا تعلق ہے مجھے یہی کچھ کہنا تھا۔

برطانیہ سے گفت و شنید

جیسا کہ آپ کو علم ہے کہ جہاں تک برطانوی حکومت کا تعلق ہے' ہمارے مذاکرات ابھی پایہ تکمیل کو نہیں پہنچے۔ ہم نے متعدد نکات پر یقین دہانیاں طلب کی تھیں۔ بہرنوع ایک نکتہ پر ہم نے کچھ پیش رفت کی ہے' اور وہ یہ ہے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ ہمارا مطالبہ یہ تھا کہ قانون حکومت ہند مجریہ ۱۹۳۵ء سے ہٹ کر ہند کے آئندہ دستور کے سارے مسئلہ پر از سرنو غور ہونا چاہئے۔ اس پر وائسرائے کا جواب' ملک معظم کی حکومت کی جانب سے اختیار کے ساتھ' یہ تھا—— بہتر ہو گا کہ میں ان کا حوالہ دوں—— یہ میں اپنے الفاظ میں بیان کرنا نہیں چاہتا۔ یہ وہ جواب ہے جو ہمیں ۲۳ دسمبر کو بھیجا گیا۔

"میرا آپ کے پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ میں نے ۱۳ اکتوبر کو ملک معظم کی حکومت کی منظوری سے جو اعلان کیا تھا وہ قانون حکومت ہند مجریہ ۱۹۳۵ء کے کسی جزو یا اس حکمت عملی اور منصوبوں پر غوروخوض کو خارج نہیں کرتا جس پر وہ مبنی ہے۔ آپ ملاحظہ کیجئے الفاظ "خارج نہیں کرتا" (نعرہ ہائے تحسین)

جہاں تک دیگر امور کا تعلق ہے ہم مذاکرات کر رہے ہیں اور بہت اہم نکات یہ ہیں : (ا) ہند کے آئندہ دستور کے متعلق ہماری منظوری اور رضا کے بغیر ملک معظم کی حکومت کو کوئی اعلان نہیں کرنا چاہئے۔ (تحسین و آفرین) اور کسی مسئلے کے بارے میں ہماری پس پشت کسی جماعت سے کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جائے گا تا آنکہ اسے ہماری منظوری اور رضامندی حاصل ہو۔ (تحسین و

آفرین) پس خواتین و حضرات! برطانوی حکومت اپنی دانش کے لحاظ سے ہمیں یقین دہانی کرائے یا نہ کرائے' مجھے بھروسہ ہے کہ پھر بھی انہیں یہ آگہی ہو جائے گی کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم کسی اور منصف کے ہاتھ میں نو کروڑ مسلمانوں کا مستقبل نہیں چھوڑ سکتے' تو یہ منصفانہ اور جائز مطالبہ ہے۔ ہم اور صرف ہم ہی آخری ثالث ہو سکتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک جائز مطالبہ ہے۔ ہم نہیں چاہتے کہ برطانوی حکومت مسلمانوں پر ایسا دستور مسلط کر دے جسے وہ منظور نہیں کرتے' جسے وہ قبول نہیں کرتے۔ لہٰذا برطانوی حکومت کو بہترین مشورہ یہ ہو گا کہ وہ یہ یقین دہانی کرا دے اور مسلمانوں کو اس معاملے میں مکمل سکون اور اعتماد عطا کر دے اور ان کی دوستی حاصل کر لے۔ لیکن وہ ایسا کرتے ہیں یا نہیں کرتے' بہرنوع' جیسا کہ میں آپ کو پہلے بتا چکا ہوں' ہمیں اپنی ہی طاقت پر انحصار کرنا چاہئے اور میں اس پلیٹ فارم سے یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر ہماری منظوری اور ہماری رضامندی کے بغیر کوئی اعلان کیا گیا' کوئی عبوری بندوبست کیا گیا' تو ہند کے مسلمان مزاحمت کریں گے (تحسین و آفرین) اور اس باب میں کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے۔

اگلا نکتہ فلسطین کے بارے میں تھا۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ عربوں کے معقول قومی مطالبات کو تسلیم کرنے کی کوششیں' مخلصانہ کوششیں کی جا رہی ہیں۔ ہم سنجیدہ کوششوں' مخلصانہ کوششوں' اور بہترین کوششوں سے مطمئن نہیں ہو سکتے (قہقہہ) ہم چاہتے ہیں کہ برطانوی حکومت کو واقعتاً اور درحقیقت فلسطین میں عربوں کے مطالبات تسلیم کر لینے چاہئیں۔ (تحسین و آفرین)

پھر اگلا نکتہ تھا فوجوں کے باہر بھیجنے سے متعلق۔ اس معاملہ میں تھوڑی سی غلط فہمی ہے لیکن بہرکیف ہم نے اپنا موقف واضح کر دیا ہے کہ ہمارا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا' اور درحقیقت زبان بھی جو استعمال کی گئی اس سے اس کا کوئی جواز نہیں نکلتا' کہ یہ غلط خدشہ یا خدشہ لاحق ہو جائے کہ ہمارے اپنے ملک کے مکمل دفاع کے لئے افواج استعمال نہ کی جائیں۔ ہم جو کچھ چاہتے تھے وہ یہ تھا کہ برطانوی حکومت ہمیں یہ یقین دہانی کرائے کہ ہندی افواج کو کسی مسلم ملک یا کسی مسلم طاقت کے خلاف نہیں بھیجا جائے گا (تحسین و آفرین) ہمیں امید کرنی چاہئے کہ ہم اب بھی برطانوی حکومت سے صورت حال کی مزید وضاحت کرا سکیں گے۔

تو یہ ہے صورت حال جہاں تک برطانوی حکومت کا تعلق ہے۔ مجلس عاملہ کے گذشتہ اجلاس نے وائسرائے سے کہا تھا کہ مجلس عاملہ کی قرارداد مورخہ ۳ فروری میں جو وضاحتیں کر دی گئی ہیں ان کی روشنی میں اپنے ۲۳ دسمبر کے مکتوب پر نظرثانی کریں اور ہمیں اطلاع دی گئی ہے کہ یہ معاملہ بکمال احتیاط ان کے زیر غور ہے۔

ہندو مسلم صورت حال

خواتین و حضرات! سو یہ ہے صورت حال اعلان جنگ کے بعد سے ۳ فروری تک کی۔

جہاں تک ہماری داخلی صورت حال کا تعلق ہے ہم اس کا جائزہ لے رہے ہیں۔ آپ کو علم ہے کہ باخبر ماہرین دستور سازی نے اور دیگر لوگوں نے جنہیں ہند کے آئندہ دستور کے مسئلے سے دلچسپی ہے ہمیں متعدد تجاویز ارسال کی ہیں اور ہم نے اب تک موصول ہونے والی تجاویز کی تفصیلات کا جائزہ لینے کے لئے ایک ذیلی کمیٹی مقرر کر دی ہے۔ لیکن ایک چیز بڑی واضح ہے۔ غلطی سے ہمیشہ سے یہ سمجھا جا رہا ہے کہ مسلمان ایک اقلیت ہیں اور بلاشبہ ایک طویل عرصے سے ہم بھی اس کے خوگر ہو گئے ہیں کہ بعض اوقات طے شدہ تصورات کو دور کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ مسلمان ایک اقلیت نہیں ہیں۔ مسلمان کسی بھی تعریف کے لحاظ سے ایک قوم ہیں۔ انگریز اور بالخصوص کانگرس اس بنیاد پر گفتگو کرتے ہیں "اچھا! بہرکیف آپ ایک اقلیت ہیں' آپ کیا چاہتے ہیں؟" "اقلیتیں اور کیا مانگتی ہیں؟" جیسا کہ بابو راجندر پرشاد نے کہا تھا۔ لیکن یقینی طور پر مسلمان اقلیت نہیں ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انگریز کے تیار کردہ برطانوی ہند کے نقشہ میں بھی ہم اس ملک کے وسیع علاقوں میں آباد ہیں جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں۔ جیسے بنگال' پنجاب' صوبہ سرحد' سندھ اور بلوچستان۔ اب سوال یہ ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان جو یہ مسئلہ ہے اس کا بہترین حل کیا ہے؟ ہم اس پر غوروفکر کر رہے ہیں اور جیسا کہ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ مختلف تجاویز پر غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی جا چکی ہے لیکن دستور کی حتمی تجویز جو بھی ہو' میں اپنے خیالات آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں اور ان کی تصدیق کے لئے میں آپ کی خدمت میں ایک خط پیش کروں گا جو لالہ لاجپت رائے نے مسٹر سی۔ آر۔ داس کے نام لکھا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ خط چودہ یا پندرہ برس قبل لکھا گیا تھا اور کسی اندر پرکاش کی کتاب میں شائع ہوا ہے جو حال ہی میں طبع ہوئی ہے۔ لالہ لاجپت رائے' ایک زیرک سیاست دان اور کٹر ہندو مہاسبھائی' کہتے ہیں۔ لیکن اس سے پیشتر کہ میں یہ خط پڑھوں' اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ کو ہندو ہونے سے کوئی مفر نہیں ہو گا اگر آپ ہندو ہیں (قہقہہ) لفظ "قوم پرست" اب سیاست میں شعبدہ بازوں کا کھلونا بن گیا ہے۔ اس خط میں کہا گیا ہے :

"ایک اور نکتہ ہے جو کافی عرصے سے میرے لئے پریشانی کا باعث بن گیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ اس پر نہایت احتیاط سے غور کریں۔ اور وہ ہے ہندو مسلم اتحاد کا سوال۔ گذشتہ ۶ ماہ کے دوران میں نے اپنا بیشتر وقت مسلم تاریخ اور مسلم قانون کے مطالعے میں صرف کیا اور میں یہ سوچنے پر مائل ہوں کہ یہ نہ ہی ممکن ہے اور نہ ہی قابل عمل۔ مسلم رہنماؤں کے تحریک سول

نافرمانی کے دوران خلوص کو فرض اور تسلیم کر لینے کے باوجود میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان کے مذہب میں اس طرح کی کسی بھی چیز کے لئے موثر ممانعت موجود ہے۔

آپ کو وہ گفتگو یاد ہو گی جو میں نے آپ کو کلکتہ میں سنائی تھی اور جو میرے' حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر کچلو کے درمیان ہوئی تھی۔ حکیم اجمل خاں سے زیادہ نفیس مسلمان ہند میں موجود نہیں۔ لیکن کیا کوئی مسلمان رہنما قرآن سے سرتابی کر سکتا ہے۔ میں صرف یہ امید کر سکتا ہوں کہ اسلامی قانون کے بارے میں میرا ماحصل غلط ہو۔"

میں سمجھتا ہوں کہ ان کا ماحاصل بالکل درست ہے !

"کوئی چیز مجھے اس سے زیادہ سکھ نہیں دے سکتی جتنا اس بات کا یقین کہ یہ ایسا ہی ہے۔ لیکن اگر یہ درست ہے تو یہ تو ہو سکتا ہے کہ ہم انگریز کے خلاف متحد ہو جائیں لیکن ہم برطانوی خطوط پر ہند پر حکومت کرنے کے لئے متحد نہیں ہو سکتے۔ ہم جمہوری خطوط پر ہند پر حکومت کرنے کے لئے متحد نہیں ہو سکتے۔"

خواتین و حضرات ! جب لالہ لاجپت رائے کہتے ہیں کہ ہم جمہوری خطوط پر اس ملک پر حکومت نہیں کر سکتے' تو یہ بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن جب ۱۸ ماہ قبل مجھے یہ سچی بات کہنے کی جرات ہوئی تو میرے خلاف حملوں اور تنقید کا طومار باندھ دیا گیا۔ لیکن لالہ لاجپت رائے نے ۱۹ برس قبل یہ کہا کہ ہم ایسا نہیں کر سکتے' یعنی جمہوری خطوط پر ہند پر حکمرانی۔ اس کا علاج کیا ہے؟ کانگرس کے نزدیک یہ ہے کہ ہمیں اقلیت بنا لیا جائے اور اکثریت کی حکمرانی میں رکھا جائے۔ لالہ لاجپت رائے آگے چلتے ہیں :

"پھر اس کا علاج کیا ہے؟ میں ۷ کروڑ مسلمانوں سے خوف زدہ نہیں ہوں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہند میں ۷ کروڑ جمع افغانستان' مرکزی ایشیا' عرب' میسوپوٹیمیا اور ترکی کا مسلح لاؤ لشکر ناقابل مزاحمت ہو گا۔" (قہقہہ)

"میں دیانتداری اور خلوص کے ساتھ ہندو مسلم اتحاد کی ضرورت اور پسندیدگی کا قائل ہوں۔ میں مسلم رہنماؤں پر اعتماد کرنے کے لئے بھی پوری طرح سے آمادہ ہوں۔ لیکن قرآن اور حدیث کے احکام کے بارے میں کیا خیال ہے؟ رہنما ان سے تو سرتابی نہیں کر سکتے۔ پھر کیا ہم مارے گئے؟ مجھے امید ہے کہ آپ کے فاضل ذہن اور دانشمند دماغ اس مشکل کا کوئی حل ڈھونڈ نکالیں گے۔"

خواتین و حضرات ! اب یہ محض ایک خط ہے جو ایک عظیم ہندو رہنما کی جانب سے دوسرے عظیم ہندو رہنما کے نام' پندرہ برس پیشتر لکھا گیا۔ اب میں اس موضوع پر جملہ موجودہ حالات کو

ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اپنے خیالات آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ برطانوی حکومت اور پارلیمان اور بیشتر انگریز قوم نے قرنوں پہلے طے شدہ تصورات کے مطابق ہند کے مستقبل کے تصور کو پالا پوسا اور اسے پروان چڑھایا۔ اس کی بنا استوار کی گئی' اس نظریئے پر جس نے ان کے ملک میں ترقی پائی اور جس کے تحت برطانوی دستور' پارلیمان کے ایوانوں اور کابینہ کے نظام کے ذریعہ کام کر رہا ہے۔ ان کا جماعتی حکومت کا تصور جو سیاسی بنیادوں پر کام کرتا ہے' ان کے نزدیک مثالی اور ہر ملک کے لئے بہترین طرز حکومت ہے۔ اور یک طرفہ اور طاقتور پروپیگنڈے نے' جو قدرتی طور پر انہیں پسند آیا' ان سے قانون حکومت ہند مجریہ ۱۹۳۵ء میں مذکور دستور مرتب کرا کے ایک سنگین غلطی کا ارتکاب کرا دیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ برطانیہ کے ممتاز مدبرین نے جو ان نظریات کے حامل ہیں سنجیدگی سے یہ دعویٰ کیا اور امید ظاہر کی کہ ہند کے متخالف عناصر میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہم آہنگی پیدا ہو جائے گی۔

لندن ٹائمز جیسے ایک مقتدر جریدے نے قانون حکومت ہند مجریہ ۱۹۳۵ء پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا: "بلاشبہ ہندو اور مسلمانوں میں اختلافات صحیح معنوں میں صرف مذہبی ہی نہیں بلکہ قانون اور ثقافت کے اعتبار سے بھی ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ وہ فی الحقیقت دو بالکل نمایاں اور علیحدہ تہذیبوں کے نمائندہ ہیں۔ تاہم وقت کے ساتھ توہمات ختم ہو جائیں گے اور ہند ایک قوم کی شکل اختیار کر لے گا۔" پس' لندن ٹائمز کے نزدیک دشواریاں محض توہمات ہیں۔ ان بنیادی اور گہرے روحانی' اقتصادی' معاشرتی اور سیاسی اختلافات کو کھلمکھلا "توہمات" کہہ کر جھٹک دیا گیا۔ یقینی طور پر معاشرے کے بارے میں اسلام اور ہندو مت کے تصورات کے مابین فرق کو محض "توہمات" قرار دینا برصغیر ہند کی ماضی کی تاریخ کو بین طور پر نظرانداز کر دینا ہے۔ ہزار سال کے گہرے روابط کے باوصف اگر قوموں میں اس قدر بعد ہے' جتنا کہ آج ہے' تو یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ کسی بھی وقت صرف اس لئے ایک قوم بن جائے گی کہ ان پر ایک جمہوری دستور مسلط کر دیا گیا اور انہیں برطانوی پارلیمانی قانون کے غیر قدرتی اور مصنوعی طریقوں کے ذریعہ زبردستی یکجا کر دیا گیا۔ جو کچھ ہند کی ڈیڑھ سو سالہ وحدانی حکومت حاصل کرنے میں ناکام رہی وہ مرکزی وفاقی حکومت کے نفاذ کے ذریعہ سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ناقابل فہم ہے کہ اس طرح کی ساختہ حکومت کے کسی فرمان یا حکم کو کبھی بھی سارے ہندوستان میں مختلف قوموں کی طرف سے وفادارانہ اور رضامندانہ اطاعت مل سکے' سوائے اس کے کہ ان کے پیچھے مسلح فوج کی طاقت ہو۔

خود مختار قومی ریاستیں

ہند میں جو مسئلہ ہے اس کی نوعیت فرقہ وارانہ نہیں بلکہ بدیہی طور پر بین الاقوامی ہے اور

اس کے ساتھ اسی انداز سے نمٹنا چاہئے۔ جب تک کہ اس اساسی اور بنیادی صداقت کو محسوس نہیں کر لیا جائے گا' جو دستور بھی وضع کیا جائے گا' وہ سانحہ پر منتج ہو گا۔ اور نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ انگریزوں اور ہندوؤں کے لئے بھی تباہ کن اور مضرت رساں ثابت ہو گا۔ اگر برطانوی حکومت اس برصغیر کے لوگوں کے لئے امن اور خوشحالی کے حصول کی حقیقتاً آرزومند اور مخلص ہے تو ہم سب کے سامنے ایک ہی راستہ ہے کہ ہند کو "خودمختار قومی ریاستوں" میں تقسیم کر کے بڑی قوموں کو علیحدہ وطن بنا لینے دیں۔ ایسی کوئی وجہ نہیں کہ یہ ریاستیں ایک دوسرے کی معاند ہوں۔ دوسری طرف ملک کی حکومت میں ایک فریق کا دوسرے فریق کے معاشرتی نظم کو دبانے اور سیاسی غلبے کے حصول' کی قدرتی خواہش بھی غائب ہو جائے گی۔ بین الاقوامی معاہدات کے ذریعہ قدرتی خیر سگالی کی طرف زیادہ پیش رفت ہو گی اور وہ اپنے ہمسایوں کے ساتھ مکمل ہم آہنگی کے ساتھ رہ سکیں گے۔ اس سے اقلیتوں کے متعلق دو طرفہ انتظامات کیلئے آسانی کے ساتھ مسلم ہند اور ہندو ہند کے مابین دوستانہ سمجھوتوں کی راہ ہموار ہو سکے گی جس سے زیادہ مناسب اور موثر طریقے سے مسلمانوں اور متعدد دیگر اقلیتوں کے حقوق اور مفادات کا تحفظ ہو سکے گا۔

یہ سمجھنا بہت دشوار بات ہے کہ ہمارے ہندو دوست اسلام اور ہندو مت کی حقیقی نوعیت کو سمجھنے سے کیوں قاصر ہیں۔ یہ حقیقی معنوں میں مذاہب نہیں ہیں۔ فی الحقیقت یہ مختلف اور نمایاں معاشرتی نظام ہیں اور یہ ایک خواب ہے کہ ہندو اور مسلمان کبھی ایک مشترکہ قوم کی سلک میں منسلک ہو سکیں گے ۔ ایک ہندی قوم کا تصور حدود سے بہت زیادہ تجاوز کر گیا ہے اور آپ کے بہت سے مصائب کی جڑ ہے۔ اور اگر ہم بروقت اپنے تصورات پر نظرثانی نہ کر سکے تو یہ ہند کو تباہی سے ہمکنار کر دے گا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کا دو مختلف مذہبی فلسفوں' معاشرتی رسم و رواج اور ادب سے تعلق ہے۔ نہ وہ آپس میں شادی بیاہ کرتے ہیں نہ اکٹھے بیٹھ کر کھاتے پیتے ہیں۔ دراصل وہ دو مختلف تہذیبوں سے متعلق ہیں جن کی اساس متصادم خیالات اور تصورات پر استوار ہے۔ یہ بھی بالکل واضح ہے کہ ہندو اور مسلمان تاریخ کے مختلف ماخذوں سے وجدان حاصل کرتے ہیں۔ ان کی رزم مختلف ہے' ہیرو الگ ہیں اور داستانیں جدا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے ایک کا ہیرو دوسرے کا دشمن ہوتا ہے اور اسی طرح ان کی کامرانیاں اور ناکامیاں ایک دوسرے پر منطبق ہو جاتی ہیں۔ ایسی دو قوموں کو ایک ریاست کے جوئے میں جوت دینے کا جن میں سے ایک عددی لحاظ سے اقلیت اور دوسری اکثریت ہو' نتیجہ بڑھتی ہوئی بے اطمینانی ہو گا اور آخرکار وہ تانا بانا ہی تباہ ہو جائے گا جو اس طرح کی ریاست کے لئے بنایا جائے گا۔

تاریخ نے ہمیں بہت سی مثالیں پیش کی ہیں' جیسے انگلستان اور آئرلینڈ کا اتحاد۔ چیکوسلاویکیہ

اور پولینڈ' تاریخ نے ہمیں بہت سے جغرافیائی خطے بھی دکھائے ہیں' برصغیر ہند سے بہت چھوٹے ہیں ایک ملک کہا جا سکتا تھا۔ لیکن وہ اتنی ہی ریاستوں میں منقسم ہیں جتنی قومیں ان میں آباد ہیں۔ جزیرہ نما بلقان میں سات یا آٹھ خودمختار ریاستیں ہیں۔ اسی طرح پرتگال اور ہسپانیہ ایبریا کے جزیرہ نما میں منقسم ہیں۔ جبکہ ہند کے اتحاد اور ایک قوم' جس کا کوئی وجود نہیں' کے بہانے سے یہاں ایک مرکزی حکومت کا ڈول ڈالنے کی جستجو کی جا رہی ہے۔ جبکہ ہمیں علم ہے کہ گذشتہ بارہ سو برس کی تاریخ حصول اتحاد میں ناکام رہی اور مدت مدید سے ہند کو ہندو ہند اور مسلم ہند میں منقسم پایا۔ ہند کے موجودہ مصنوعی اتحاد کا آغاز انگریزوں کی فتوحات کے بعد سے ہوا اور برطانوی سنگینوں کے زور پر اسے برقرار رکھا گیا۔ لیکن برطانوی عہد کا اختتام جو ملک معظم کی حکومت کے تازہ ترین اعلان سے مترشح ہے' ٹوٹ پھوٹ کا اس قدر برا سانحہ ہو گا جس سے بدتر مسلمانوں کے زیر اقتدار پچھلے ہزار برس کے دوران کبھی نہ ہوا ہو گا۔ یقین ہے کہ ڈیڑھ سو برس کی حکومت کے بعد انگریز ہند کو یہ تحفہ تو نہ دیں گے' نہ ہی ہندو ہند اور مسلم ہند اتنے بڑے المیے کا خطرہ مول لے سکتے ہیں۔

مسلم ہند کسی ایسے دستور کو قبول نہیں کر سکتا جو لازمی طور پر ہندو اکثریت کی حکومت پر منتج ہو۔ ایسا جمہوری نظام' جس کے تحت ہندوؤں اور مسلمانوں کو یکجا کر کے' اقلیتوں پر مسلط کیا جائے گا تو اس کا واحد مطلب ہندو راج ہو گا۔ اس نوع کی جمہوریت کا' جس کی کانگرس ہائی کمان بہت گرویدہ ہے' مطلب ہے ہر اس چیز کی مکمل تباہی جو اسلام کے نزدیک بے حد بیش قیمت ہے۔ ہمیں گذشتہ ڈھائی برس کے دوران صوبائی دستور پر عملدرآمد کا بہت کافی تجربہ ہے۔ اس طرح کی حکومت کا اعادہ خانہ جنگی اور نجی فوجوں کی تیاری ہو گا جیسا کہ مسٹر گاندھی سکھر کے ہندوؤں کو مشورہ دے چکے ہیں جب انہوں نے کہا کہ انہیں اپنا دفاع خود کرنا چاہئے' تشدد سے یا عدم تشدد سے' مار کے بدلے مار اور اگر وہ ایسا نہ کر سکیں تو انہیں ترک وطن کر دینا چاہئے۔

معروف انداز کے مطابق مسلمان اقلیت نہیں ہیں۔ ہم ذرا سا پلٹ کر دیکھیں۔ ہند کے برطانوی نقشے کے مطابق آج بھی ۱۱ صوبوں میں سے ۴ صوبوں میں' مسلمان کم و بیش اکثریت میں ہیں' اور وہاں کانگرس کے اس فیصلے کے علی الرغم کام ہو رہا ہے کہ عدم تعاون کرو اور سول نافرمانی کی تیاری کرو۔ قوم کی کسی بھی تعریف کے مطابق مسلمان ایک قوم ہیں۔ اور ان کے اپنے وطن ہونے چاہئیں' اپنے علاقے اور اپنی ریاست۔ ہم آزاد اور خودمختار قوم کی حیثیت سے اپنے ہمسایوں کے ساتھ امن اور آشتی کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے عوام بھرپور روحانی' ثقافتی' اقتصادی' معاشرتی اور سیاسی زندگی میں ترقی کریں۔ اس انداز سے جسے ہم بہترین سمجھتے ہیں'

اپنے آئیڈیل کے مطابق اور اپنے عوام کی سوچ کے مطابق۔ دیانت کا تقاضا ہے اور ہمارے کروڑوں لوگوں کا اہم مفاد ہم پر یہ مقدس فریضہ عائد کرتا ہے کہ ہم ایسا آبرومندانہ اور پر امن حل تلاش کریں جو سب کے لئے جائز اور منصفانہ ہو۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم نہ تو دھمکیوں اور گیدڑ بھبکیوں سے متاثر ہوں گے اور نہ ہی اپنے اغراض و مقاصد سے انحراف کریں گے۔ ہمیں ہمہ دشواریوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ ہم نے اپنے سامنے جو مقصد رکھا ہے اس کے لئے جتنی قربانیوں کی ضرورت پڑی پیش کر دی جائیں گی۔

خواتین و حضرات! یہ کام ہے ہمارے سامنے ہے۔ مجھے خدشہ ہے کہ میں اپنے وقت کی حد کو پار کر گیا ہوں۔ بہت سی باتیں ہیں جو میں آپ سے کہنا چاہتا تھا لیکن میں نے پہلے ہی ایک کتابچہ شائع کر دیا ہے جس میں وہ بیشتر باتیں آ گئی ہیں' جو میں کہتا رہا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ بہت آسانی سے یہ کتابچہ جو انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں شائع ہوا ہے مسلم لیگ کے دفتر سے حاصل کر سکتے ہیں۔ اس میں مسلم لیگ کی اہم قراردادیں اور دیگر بیانات موجود ہیں۔ بہرنوع میں نے وہ کام آپ کے سامنے رکھ دیا ہے جو ہمیں آئندہ کرنا ہے۔ کیا آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ کس قدر زبردست اور بڑا کام ہے؟ کیا آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ آپ آزادی اور خودمختاری محض دلائل کے بل پر حاصل نہیں کر سکتے؟ مجھے دانشوروں سے اپیل کرنی چاہئے۔ دنیا کے تمام ملکوں میں دانشور ہی آزادی کی تحریکوں کے سرخیل ہوتے ہیں۔ مسلمان دانشور کیا کرنا چاہتے ہیں؟ میں آپ کو بتا سکتا ہوں کہ جب تک کہ آپ اسے اپنے خون میں نہ دوڑا دیں گے' جب تک کہ آپ آستینیں چڑھانے پر آمادہ نہیں ہو جائیں گے' جب تک کہ آپ وہ سب کچھ قربان کر دینے کے لئے تیار نہ ہوں گے جو قربان کر سکتے ہیں' جب تک کہ آپ اپنی قوم کیلئے بے لوثی اور خلوص کے ساتھ کام نہیں کریں گے' آپ کبھی بھی اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکیں گے۔ دوستو! پس میں چاہتا ہوں کہ قطعی طور پر آپ اپنا ذہن تیار کر لیں اور پھر ترکیبیں سوچیں' اور اپنے لوگوں کو منظم کریں' اپنی تنظیم کو مضبوط بنائیں' اور پورے ہند میں مسلمانوں کو مجتمع کریں۔ میں سمجھتا ہوں کہ عوام پوری طرح بیدار ہیں۔ انہیں صرف آپ کی رہنمائی اور قیادت کی ضرورت ہے۔ اسلام کے خادموں کی حیثیت سے آگے بڑھیں اور اپنے لوگوں کو اقتصادی' معاشرتی' تعلیمی اور سیاسی طور پر منظم کریں۔ مجھے یقین ہے آپ ایسی طاقت بن جائیں گے جسے ہر کوئی تسلیم کرے گا۔

(آل انڈیا مسلم لیگ' اجلاس لاہور مارچ ۱۹۴۰ء رپورٹ' خطبہ صدارت' مطبوعہ دہلی ۱۹۴۵ء)